سخنان

بسمہٖ سبحانہ

سالِ مرسلِ اعظمؐ

جس کا نور تنویر ازل اور جس کا سایۂ رحمت دیوار ابد تک پھیلا ہوا ہو، جس کا آستانۂ قدس ساری نیکیوں کا سرچشمہ اور جس کی دہلیز تمام نعمتوں اور سعادتوں کا منبع ہو، جسکا وجود ذیجود وجہ تخلیق زمان و مکان ہو، جسکے فیض سے گردش لیل و نہار قائم ہو، صبحیں جسکا نام لے کر طلوع ہوتی ہوں، راتیں جسکے دامن عاطفت میں تھک کر سو جاتی ہوں، صدیاں جسکی ہوں لمحے جسکے ہوں، زمانہ جسکا زمانے جسکے ہوں، اسکے نام وقت کی کسی اکائی کا معنون ہونا طبع موزوں کے لئے مصرعۂ بے بحر کے ایسا ہے لیکن اس کڑوی سچائی کو کیا کیا جائے کہ یہ خود وخدا فراموش انسانوں کی بھیڑ مستقل یاد دہانیوں کے ٹھوکے چاہتی ہے۔

بیگانوں کی بات جانے دیجئے کہ ان تک حق کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری بھی پتہ نہیں ہم ادا کر پا رہے ہیں یا نہیں خود ہم بھی دن میں پانچ مرتبہ مؤذن کے یاد دلانے کے باوجود آپؐ سے اور آپؐ کے پیغام سے کتنا استفادہ کر رہے ہیں یہ ہماری اور آپ کی طرز حیات سے واضح ہے۔.......... خود آپ یہاں ایک لمحہ رک کر سوچئے کہ آپ کو رسولؐ اکرم کب سے یاد نہیں آئے؟

فرقہ بندیوں کے دیگر نقصانات کے علاوہ ایک نقصان یہ ہے کہ ہر فرقے کے افراد نے اپنے ذہنوں میں اپنی اپنی پسندیدہ شخصیتوں کے بڑے بڑے بت تراش کر رسولؐ کے بالمقابل رکھ دیئے ہیں۔ ان بتوں کے پار کسی کو رسولؐ دکھائی ہی نہیں دیتے۔ جہاں ہونا یہ چاہئے تھا کہ ہم رسولؐ کی یعنی اللہ کی نظر سے افراد کو دیکھتے انکی پسندیدہ شخصیتوں کو پسند اور انکے ناپسندیدہ اشخاص سے اعراض کرتے۔ ہماری عقیدت بھری نگاہیں ادھر اٹھنا چاہئے تھیں جدھر رسولؐ پیار سے دیکھ رہے ہوتے اور ادھر سے ہٹ جانا چاہئے تھیں جدھر سے رسولؐ منہ موڑ رہے ہوتے وہیں یہ ہو رہا ہے کہ ہم اپنے اپنے گروہوں کی آوازوں کو رسولؐ کی آواز پر فوقیت دے رہے ہیں۔ یہ سوچے بغیر کہ رسولؐ اور صرف رسولؐ ہی کا اتباع مسلمان رہنے کی دلیل اور ایمان کی واحد شرط ہے۔

یہی وہ مواقع ہیں جب از روئے فرمان خداوندی ہم پر واجب ہو جاتا ہے کہ ہم اللہ کی جانب پلٹیں اور رسولؐ کی طرف رخ کریں۔ ایسے پُرآشوب دور میں لائق صد تحسین ہے رہبر انقلاب جمہوریہ اسلامیٔ ایران آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہٗ کا یہ اقدام کہ آپ نے اس پورے ایک سال کو ''سال مرسل اعظمؐ'' قرار دیا ہے۔ ادھر کچھ برسوں سے ایران میں یہ صحت مند روایت قائم ہوئی ہے۔ اس رسم کا خیر مقدم کیا جانا چاہئے اور کاروان ہدایت سے منسلک ہر راہی کو انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی انداز میں

بھی آوازِ حق میں اپنی آواز ملانا چاہئے۔ چنانچہ یہ شمارہ بھی انھیں کوششوں کا ایک حصہ ہے۔

ایک برس کچھ کم نہیں ہوتا...... اپنے ذاتی طرزِ عمل کو اسوۂ رسولؐ سے ہم آہنگ کرنے کے لئے، اپنے ہر موسم کو حضورؐ کے موسموں جیسا بنانے کے لئے، ہر سرد و گرم میں اپنے ردّ عمل کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جانچنے اور پرکھنے کے لئے۔ اس ایک سال کے کسی ایک لمحے میں بھی اگر ذہن میں یہ فکر راہ پا جائے کہ یہ دین ہماری فلاح کا ضامن ہے۔ ہم اگر کامیاب نہیں ہو پا رہے ہیں تو کہیں نہ کہیں ہم دین سے دور ہیں۔ ہمیں صد در صد کامیابی کے لئے دین میں صد در صد ہی داخل ہونا پڑے گا کیونکہ یہ اس مخبر صادقؐ کی دی ہوئی گارنٹی ہے جس کی سچائی اور امانت داری پر اس کے خون کے پیاسے بھی اپنی گواہی تاریخ میں درج کرا چکے ہیں۔

اسلام ایک آفاقی ادارہ

ایک سال کچھ کم نہیں ہوتا...... یہ سوچنے کے لئے کہ مرسل اعظمؐ کا لایا ہوا یہ دین ایک آفاقی ادارہ ہے جس کا ڈھانچہ یہ ہے کہ اس میں شامل ہر فرد ایک طرف اللہ سے اپنے آپ کو منسلک رکھتا ہے تو دوسری طرف...... قربۃً الی اللہ...... عباد اللہ سے یعنی مسلمان مابین خود و خدا اور مابین خود و بندگان خدا رابطوں کو استوار رکھتا ہے۔ اللہ اپنے بندے کو بندگان خدا کے ساتھ اس کے رشتوں کی بنیاد پر آنکتا ہے تو بندوں میں اس کا اکرام اللہ سے رشتے کی بنیاد پر طے ہوتا ہے۔

اسلام کو آفاقی ادارہ کہہ کر یہاں یہ سوال نہیں اٹھایا جا رہا ہے کہ اس آفاقی ادارے میں ذیلی اداروں کی گنجائش کہاں تک ہے؟ ہاں! یہ ضرور ہے کہ اس ادارہ کے منصب داروں نے وہ نظیریں پیش کی ہیں اور وہ ضابطے قائم کئے ہیں کہ تا قیام قیامت تمام بننے اور بگڑنے والے اداروں کی طوالت عمر کا راز انھیں اصولوں اور ضابطوں کی پیروی میں مضمر ہے۔ مرسل اعظمؐ نے جب اس ادارے کی بنا ڈالی تو لوگ آسان...... نہیں دشوار ترین...... سمجھتے تھے مسلماں ہونا اور وہ وقت محاورۃً نہیں واقعتاً...... شہادت گہہ میں قدم رکھنے کے مترادف تھا۔ اس وقت کی اولین ضرورت تھی ان نومسلموں کی کفالت اور ان کا دفاع۔ ان دو خدمتوں کے لئے دو منصبوں کی ضرورت ہوئی، ایک ایثار کا خواہاں، دوسرا قربانی کا متقاضی۔ ان دونوں منصبہائے خدمت پر رسالت مآبؐ نے اپنے اقربا کو نامزد فرمایا۔ ایک منصب شریک حیات کے حوالے کیا تو دوسرے پر قوت بازو کو معین فرمایا۔ تیسرا منصب خدمت تھا ہدایت، جس پر خود حضورؐ جلوہ افروز تھے۔ یہ تمام خدماتی عہدے اور مناصب رفعت بخش تو تھے دنیاوی منفعت کا ان میں دور دور تک شائبہ بھی نہیں تھا۔ چونکہ ان میں زحمتیں تھیں، مصائب تھے، مال کا نقصان تھا اور جان کا زیاں، اسی لئے حریص نظریں بھی ان منصبوں کی طرف نہ اُٹھ سکیں اور تا حین حیات یہ عہد ہائے خدمت انھیں ذوات مقدسہ یا ان کے ورثا کے پاس رہے نہ ان سے کوئی چھین سکا اور نہ ہی دعوے دار ہو سکا، البتہ مرسل اعظمؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی دنیا پرستوں نے اسلام کے نام پر منافع بخش ادارے بنانا شروع کئے اور پھر شروع ہوا اقربا پروری اور کنبہ پروری کا دور دورہ۔ کچھ نام نہاد اعزازی منصب ایجاد کئے گئے جن کی سربراہی خود اختیار

کی اور بقیہ ذیلی منافع بخش عہدوں پر اپنے اعزا و اقربا کو حسب مراتب نصب کرنا شروع کیا گیا۔

افسوس ناک سچائی تو یہ ہے کہ آج کی برائے نام مہذب دنیا بھی اس بات پر چیں بہ جبیں ہوتی ہے کہ خدماتی عہدوں پر متمکن افراد کے اعزا و اقربا اس عہدے کے آس پاس بکھرے ہوئے منفعت بخش منصبوں پر بھی دیکھے جائیں۔ لیکن اس کو بد نصیبی اور بدبختی کے سوا اور کیا کہا جائے کہ دینداری کے نام پر اسی دین کے نام لیواؤں کے ذریعہ نفس پرستی اور اقربا پروری کا ننگا ناچ کیا جا تا رہے جو ان بیماریوں کا سدّ باب کرنے والا پہلا اور آخری دین ہے۔ اسلام نے بہت دور سے اس بیماری کو بھانپ لیا تھا اور کچھ خاص رقومات کو جو اِن خدمت گزار منصب داروں کے پاس رہ سکتی تھیں ان پر حرام قرار دے دیا تھا...... تاکہ بدعنوانیاں پنپ ہی نہ سکیں۔

دراصل اقربا پروری اور اعزا نوازی بے ایمانوں کی آخری پناہ گاہ ہوتی ہے۔ اس کا آغاز جبھی ہوتا ہے جب دین و دیانت کی اداکاری کرنے والے سربراہان ادارہ اپنی خواہشات نفس کے ہاتھوں گلے گلے بدعنوانیوں میں ڈوب چکے ہوتے ہیں۔ ان کے پاس اس کے سوا چارۂ کار ہی نہیں رہتا کہ وہ خود تو نوکیلے اور خاردار ہو جائیں، بات بات میں پنجے نکالیں، دُرّہ اٹھانے لگیں اور اپنے آس پاس اپنے چہیتوں کو اکٹھا کر لیں تاکہ وہ بدعنوانیوں میں ان کی ڈھال بنے رہنے کے ساتھ ساتھ ان کی قصیدہ خوانی بھی کرتے رہیں، ان پر تقدس کی ملمع سازی کرتے رہیں، ان کی ذات کو آدھی دنیا پر ادارے کا پرچم لہرانے والا غازی بنا کر لوگوں کو مغالطہ دینے کی کوشش کرتے رہیں۔ جب کہ ان بے چاروں کو تو اس کا اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ ان کا یہ مربی سرحد پار کیا کیا گل کھلاتا ہے اور کس کس اسلام دشمن طاقت کا آلۂ کاربن کر واپس آتا ہے۔ دور دیش میں مال غنیمت کی لوٹ مار کے مواقع بھی بہت ہوتے ہیں اور مال غنیمت بھی بہت۔ قادسیہ اور غرناطہ میں کیا کیا بدعنوانیاں ہوئیں، کون کون سے اسلامی اصول پامال ہوئے یہ خبر مدینہ لائے کون؟ کیونکہ جو راوی ہو سکتا ہے وہی تو اصل مجرم ہے! جو مخبر ہو سکتے ہیں وہ سب آپس میں موسیرے بھائی جو ہیں، سو یہاں آ کر بتائے کون؟ سب ایک دوسرے کو 'رضی اللہ عنہ' ہی تو کہتے پھریں گے نا!

اس توسیع پسندی کے پیچھے تبلیغ اسلام و نشر ادارہ کے نام پر ہوس جاہ و مال اور نشہ افرنگ نہ ہوتا تو مرسل اعظمؐ کے زمانے کا اسلام آج اس طرح پسپا نہ دکھائی دیتا۔ رسولؐ کے اسلام میں لوگ گروہ در گروہ داخل ہو رہے تھے...... بغیر کوئی جغرافیائی یا سیاسی سرحد عبور کئے ہوئے...... مسلمان ملک در ملک سرحدیں پھلانگتے ہوئے فوج در فوج کوچ کرتے ہوئے نہیں دکھائی دیتے تھے۔ نہ ہی اداروں کو کاسۂ گدائی بنائے ہوئے ادارہ جاتی کمیشن ایجینٹ طرح طرح کی کرنسی حوالوں کے حوالے سے منگواتے نظر آتے تھے۔

خیانت اور بددیانتی کی اس سے بری اور کیا مثال ہوگی کہ دین داری کا ڈھنڈھورا پیٹنے والے قومی پیسے سے خاندانی نکمّے

پالنے لگیں، تقرریوں میں صلاحیتوں کو نہیں قربتوں کو معیار بنائیں، عہدہائے منفعت پر اپنے اعزا سے چُن چُن کر ایسے ناکارہ وازکار رفتہ افراد کو معین کریں جو کہیں دوسری جگہ گھاس بھی چھیلنے کے قابل نہ ہوں اور یہی نہیں بلکہ صاحبان صلاحیت سے تلوار کی نوک پر اپنے ان نامزد کردہ بیوقوفوں کے لئے بیعت بھی طلب کریں۔

ادارہ سازی اور ادارہ بازی وبا کی طرح بڑھ رہی ہے اور خدمت دین اور کیفیت مذہب اسی تناسب سے کم ہوتی جارہی ہے۔ روز نئی اور مصنوعی ضرورتیں ایجاد کر کے مصنوعی خدمتوں کے باب کھولے جا رہے ہیں، کہیں ناداروں کے نام پر دین کا کاروبار ہورہا ہے، کہیں مریضوں کی آہیں اور کراہیں بیچی جارہی ہیں، کہیں یتیموں، یتیماؤں اور بیواؤں کو اثاثہ بنایا جارہا ہے تو کہیں مظلوموں اور لاچاروں کی لائنیں تصاویر کی دیدہ زیبی میں اضافہ کررہی ہیں۔ اولاد رسولؐ تو بے چاری بھکاری بنا ہی دی گئی ہے۔۔۔۔۔۔ کربلا نے جہاں اسلام کو مسخ کرنے والی دیگر بہت سی حماقتوں پر سے نقاب اُٹھائی ہے وہیں الٰہی منصبہائے خدمت وہدایت اور دنیاوی عہدہ ہائے منفعت کے درمیان بھی خط فاصل کھینچا ہے۔ کربلا سے چل کر ظلم وتعدی کی جو راہ سقیفہ تک پہنچتی ہے اس میں جو پڑاؤ آتے ہیں ان کے نام ہیں۔۔۔۔۔۔ اقربا پروری، اجارہ داری، جھوٹ، مکاری، ریاکاری، نااہل نوازی، صلاحیت کُشی اور خود پرستی۔۔۔۔۔۔ جب کہ دوسری راہ جو روضۂ رسولؐ اور کعبۃ اللہ تک جاتی ہے اس میں جو مقامات آتے ہیں وہ مقامات نہیں بلکہ سجدہ گاہیں ہیں یہاں اقربا اور اعزا کی قربانیاں، ایثار کے روح پرور مناظر، سچائی کا نور، فداکاریوں کا بحرِ بیکراں، خدا پرستی اور بندگان خدا کی فلاح وکامیابی کے لئے اپنا سب کچھ نچھاور کردینے کی للک دکھائی دیتی ہے۔

ہم یہ تجزیہ قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کریں اور اپنے آس پاس جتھا بندان دینی خدمت گزاروں کا جائزہ لیں اور پھر دیکھیں کہ یہ افراد حسینؑ کی طرف کھڑے دکھائی دیتے ہیں یا ان کا سلسلہ کسی دوسری طرف ملتا ہوا نظر آتا ہے۔ نیز ان تمام حضرات سے بھی جو خود کو ہماری اس تنبیہ کا ہدف پاتے ہوں عرض گزار ہیں کہ اس سے پہلے کہ ان کے جرائم طشت ازبام ہوجائیں اللہ کی دی ہوئی اس مہلت کو غنیمت جانیں۔

ضرورت ہے! ناقص العقلوں کی

نااہل اور کم سواد حضرات مایوس نہ ہوں کیونکہ اللہ نے ان کو بے مصرف نہیں بنایا ہے۔ ایسے بہت سے ادارے، کمیٹیاں اور انجمنیں اور حکومتیں روز پیدا ہوتی رہتی ہیں جو اپنے آرائشی عہدوں کے لئے مستقل ایسے ''گھگھوؤں'' کے متلاشی رہتی ہیں جن کی پلاسٹک کی کھوپڑیوں پر دستار فضیلت اور اعزازی عمامے فٹ بیٹھ جائیں اور جنہیں اس کے لئے 'راشٹر پتنی' بننے میں بھی کوئی شرم محسوس نہ ہو۔

(ادارہ)